Chapter. 4

باب چہارم

کیفی اعظمی کی نظم نگاری

کیفی اعظمی نے غزلیں بھی لکھیں اور گیت بھی لیکن ان کے مجموعی ادبی منظر نامے کے تفصیلی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بنیادی طور پر وہ نظم کے شاعر تھے۔ کیونکہ نظم ہی وہ صنف سخن تھی جس کے ذریعے وہ اپنے ذہنی اور فکری رجحان کا اظہار موثر اور آزادانہ طور پر کر سکتے تھے۔

جہاں تک کیفی کی نظم نگاری کا تعلق ہے تو اس ضمن میں روس کے انقلاب کے ہمہ جہت اثرات، ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹی کی مزدوروں اور کسانوں کی حمایت میں دن بہ دن بڑھتی ہوئی سرگرمیاں اور پھر ترقی پسند تحریک سے ان کی وابستگی اور اس زمانے میں ترقی پسند تحریک کے علمبرداروں میں پی۔ سی۔ جوشی، سید سجاد ظہیر، علی سردار جعفری، علی عباس حسینی، مجاز اور فیض وغیرہ سے ان کی ملاقات کا خاص دخل رہا ہے۔

ڈاکٹر وسیم انور کیفی کی ترقی پسند تحریک میں شمولیت اور ان کی نظم نگاری سے متعلق لکھتے ہیں۔

” احتشام حسین کیفی کو آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے دفتر لے گئے اور وہاں اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر علی سردار جعفری سے ملایا۔ ان ملاقاتوں اور مباحثوں سے کیفی کا جنون سیاست اور شاعری دونوں بہت ترقی کرتے رہے اور پھر کیفی احتشام حسین کی فہمائش پر ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔“ [1]

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا کہ روس میں انقلاب آنے کے بعد اس کے اثرات دنیا کے اکثر ممالک پر دیر اور دور تک پڑے۔ ہندوستان کی سیاست

پر بھی اس عظیم انقلاب کا اثر ہوا۔ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی اپنے نظریات کی ترسیل اور اپنی سرگرمیوں کو عوام تک پہنچانے کے لیے قومی جنگ نام سے ایک اخبار شائع کرتی تھی۔ کیفی اپنے ابتدائی زمانے میں اپنے ذہن اور طبیعت کے زیر اثر اس اخبار کو پابندی اور دلچسپی سے پڑھتے تھے۔اس اخبار میں ہندوستان کے مزدوروں، کسانوں اور محنت کش طبقے سے متعلق تفصیلات پڑھ کر کیفی بے حد متاثر ہوئے۔اور انہوں نے بھی انہیں موضوعات پر بلاعنوان نظمیں لکھ کر بھیجنا شروع کیا۔جس سے کیفی کی غائبانہ شہرت میں اضافہ ہونے لگا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں آزادی کی سرگرمیاں تیز ہو رہی تھیں۔کیفی اس حمایت سے حد درجہ متاثر ہوئے۔حالانکہ وہ اس وقت لکھنو کے معروف مدرسہ سلطان المدارس میں زیر تعلیم تھے۔وہ کہتے ہیں کہ:

''میں پربھات پھیریوں میں شامل ہو گیا۔ منہ اندھیرے کسی پربھات پھیری میں شامل ہوتا اور نظمین پڑھتا۔۔۔۔۔۔''اٹھو دیکھو وہ آندھی آرہی ہے'' یہ ایک پربھات پھیری کے لیے میں نے کہی اور اس میں پڑھی تھی۔''۲

روس کے انقلاب سے متاثر ہوکر غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کی حمایت میں جو نظمیں لکھتے تھے ان کا کوئی عنوان نہ ہوتا تھا۔ یہ نظمیں کیفی کمیونسٹ پارٹی کے آرگن قومی جنگ میں چھپنے کی غرض سے بھیجتے تھے۔لیکن کیفی کی عنوان بغیر کی

نظمیں پڑھ کر ترقی پسند تحریک کے ذمہ داران مثلاً سجاد ظہیر، علی سردار جعفری وغیرہ بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس کے بعد کیفی کی ملاقات علی عباس حسینی اور احتشام حسین سے ہوئی۔ کیفی صاحب بمبئی میں ترقی پسند تحریک کے کل وقتی ممبر بن گئے۔

کیفی کی دشاعری کے مختلف رجحان کو آسانی سے سمجھنے کے لیے ان کی شاعری کو مختلف ہتین دور میں تقسیم کرنا ہوگا۔

" اس سلسلے میں مظفر حنفی نے ان کی شاعری کے ۱۹۴۵ سے ۱۹۶۲ کے دور کو مندرجہ ذیل تین ادوار میں منقسم کیا ہے۔

(۱)	ابتدا سے ۱۹۴۵ تک	دور اول
(۲)	۱۹۴۵ سے ۱۹۲۶ تک	دور اول
(۲)	۱۹۲۶ سے تاحیات	تیسرا دور" ۳

کیفی کی طبیعت رومان پسند اور جمال پرست تھی اس کا بیان وہ بذات خود کرتے ہیں کہ:

ہمارا سب سے بڑا کھیت جس میں گلے گلے جو آیا تھا وہ کٹ رہا تھا۔ اتفاق سے چچا کو تحصیل جانا تھا۔ وہ جاتے جاتے مجھے کھیت میں بٹھا گئے اور اچھی طرح سمجھا دیا کہ دھیان رکھنا یہ لوگ بڑے بے ایمان ہوتے ہیں اور حرام خور بھی۔ یہ اکیسویں پولی ہمیشہ بہت بڑی بناتے ہیں۔ ایک ایک پولی میں دو دو تین تین پسیری

اناج وہ لے کے چلے جاتے ہیں۔کسی کو ایسا نہ کرنے دینا خبردار۔۔میں نے ان کو اطمینان دلا دیا کہ میں ایک بال کسی کو زیادہ نہ لے جانے دوں گا۔مطمئن ہو کر چچا تحصیل چلے گئے۔فصل کٹتی رہی میں نگرانی کرتا رہا۔گاؤں کی ایک خوبصورت اور جوان لڑکی بھی فصل کاٹ رہی تھی۔میں زیادہ تر اسی کے قریب کھڑا رہا۔دوپہر تک اس کے گورے گورے گالوں سے دھوپ رنگ بن کر ٹپکنے لگی۔اس کو کچھ اپنے اوپر اعتماد تھا کچھ میری کمزوری بھی وہ سمجھ چکی تھی۔اس لیے اس نے پولیاں بہت بڑی بنا رکھی تھیں۔اور جب میں ان کو دیکھنے لگا تو وہ مسکرانے لگی۔اس نے پولیاں جیسی بنائی تھیں ویسی ہی میں نے اس کو لے جانے دیں۔گاؤں کی ایک بوڑھی عورت یہ سب کچھ بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔اس نے تھوڑا سا اناج چرا رکھا تھا۔اتنے میں چچا آ گئے۔انھوں نے اس بڑھیا کو پکڑ لیا۔اس کو ڈرایا دھمکایا تو اس نے ان سے نمک مرچ لگا کر میری شکایت جڑ دی کہ۔۔۔توں اسے مٹھی بھر جو چھین لیے اور تہرے بنوائے اوکا،اوجون پتریا کی طرح باان ڈارے آئی رہی تیرے بٹوانے اوکا اوجون پتریا کی طرح سنگار کر کے کاٹے آئی رہی،بوجھ کا بوجھ اٹھائے کے اوکے سر پر رکھ دیں۔چچا نے میرا کان پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے گھر میں اماں کے پاس لے گئے۔کہ اُن کو بھی وہیں بھیج دیجیے۔یہ گاؤں میں رہیں گے تو سب کچھ لٹا دیں گے۔''[۴]

کیفی کی شاعری کے ابتدائی دور میں رومانیت کے عکس نظر آتے ہیں ۔ان کے ابتدائی کلام میں عاشقانہ جذبات رومانی احساسات کی عکاسی صاف نظر آتی ہے۔اس سلسلے میں نامی انصاری لکھتے ہیں:

ان کی ابتدائی غنائیہ نظمیں، نوجوانی کے عاشقانہ اور رومانی جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں۔اس دور کی نظموں میں جذبے کی صداقت اور گرمی پوری طرح موجود ہے۔نوجوانی کے یہ جذبات ہر دور میں مشترک ہوتے ہیں اور ایک عالم گیر صداقت رکھتے ہیں۔اس لیے ان کو صرف سطحی رومانیت کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"[5]

کیفی کی رومانی نظمیں نہایت پر کیف اور عشقیہ جذبات سے لبریز ہیں۔ان کی اہم رومانی یا عشقیہ نظموں میں برسات کی ایک رات، دوشیزہ مالن، شام، شباب، پیتل کے کنگن، سویرے سویرے، پہلا سلام، تجدید تبسم، دھواں، مشورے، حوصلہ، نرسوں کی محافظ، نقش و نگار، تم، ملاقات، تصور نغمگی، پشیمانی، مجبوری، نصیحت، اور احتیاط وغیرہ نظمیں ان کے دور اول کی بھرپور نمائندگی کرتی ہیں۔مثلاً ان نظموں کا حسن دیکھیے۔

یہ برسات، یہ موسم شادمانی
خس وخار پر پھٹ پڑی ہے جوانی
بھڑکتا ہے رہ رہ کے سوزِ محبت
جھما جھم برستا ہے پرشور پانی

فضا جھومتی ہے، گھٹا جھومتی ہے
درختوں کو ضو برق کی چومتی ہے
تھرکتے ہوئے اب کا جذب توبہ

کہ دامن اٹھائے زمیں گھومتی ہے

کڑکتی ہے بجلی چمکتی ہے بوندیں
لپکتا ہے کوندا، دمکتی ہیں بوندیں
رگ جاں پہ رہ رہ کے لگتی ہیں چوٹیں
چھما چھم خلا میں کھٹکتی ہیں بوندیں

فلک گا رہا ہے، زمیں گا رہی ہے
کلیجے میں ہر لے چبھی جا رہی ہے
مجھے پا کے اس مست شب میں اکیلا
یہ رنگیں گھٹا تیر برسا رہی ہیں

فضا جھوم کر رنگ برسا رہی ہے
ہر اک سانس شعلہ بنی جا رہی ہے
کبھی اس طرح یاد آتی نہیں تھی
وہ جسطرح اس وقت یاد آ رہی ہے

(دوشیزہ مالن)

کیفی اعظمی کی درج بالا پشیمانی، حوصلہ، سلام نظمیں ان کے رومانی جذبات و احساسات کی ترجمانی کی ایک دلیل ہیں۔ کیفی کی نظمیں

اپنیز بانا ور منظر نگاری کے اعتبار سے بہترین مقام رکھتی ہیں۔ کیفی کی نظموں کے سلسلے میں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ ان میں صرف عشقیہ جذبات ہی منعکس نہیں ہوئے ہیں، بلکہ مناظر فطرت کی بھی بھرپور عکاسی ہوئی ہے۔ اس نوع کی تمام نظمیں کیفی کے کیفی سے مجموعہ کلام جھنکار اور آخر شب میں شامل ہیں۔ دور اول میں کیفی کے رومانی شاعری کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جس دور میں کیفی نے شاعری شروع کی اسمیں رومانیت کا غلبہ تھا اور کم وبیش تمام شعرا اسی رنگ کی شاعری کرر ہے تھے۔ لہذا، یہ پورا دور رومانی شاعری ہی سے عبارت تھا۔ اقبال، اختر شیرانی اور جوش ملیح آبادی وغیرہ کے یہاں رومانیت کا پرتو بہت نمایاں تھا، یہی رومانیت آگے چل کر حقیقت میں تبدیل ہوئی۔ یہی وہ دور تھا جس نے کیفی صاحب کی شاعری کی رہنمائی کی۔ چنانچہ وہ بھی اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور عشقیہ نظموں اور غزلوں سے اپنی شاعری کی ابتدا کی۔ کیفی کی اس نوع کی رومانی نظمیں نرمی، لطافت، نزاکت اور موسیقیت سے بھرپور ہیں، ان میں سادگی بھی ہے اور اثر آفرینی بھی، نغمگی بھی ہے اور آہنگ بھی۔ بطور نمونہ یہ نظم دیکھیے۔

ہائے ! یہ پیتل کے کنگن اور تو جانِ بہار
وہ بھی لایا ہوں بہ مشکل وائے بر لیل و نہار
تو مگر ان کو پہن کر بھی بہت مسرور ہے
کیوں نہ ہو خاطر مرے اخلاص کی منظور ہے
جب سے میرے گھر میں تو آئی ہے اے مفلس نواز

بن گئی ہے ساری ہستی پیکر سوز و گداز
نوجواں دل میں سنانیں رنگ کی گڑنے لگیں
آہ ! قبل از وقت رخ پر جھریاں پڑنے لگیں
وہ گلابی انکھڑیاں ، وہ رس میں ڈوبے لب نہیں
میں نے جو گھونگھٹ میں دیکھے تھے وہ تیور اب نہیں
مطلع شادی پہ غربت کی اداسی چھا گئی
حیف وہ گھر جس میں آ کر خود شمع سنولا گئی

آسماں پر ہے ہوائے زر پرستی کا دماغ
سچ ہے کیونکر جس سکے گھر میں غلاموں کے چراغ

تو پھر کراں کو خوش رہ چھوڑ جانے دے مجھے
جنگ کے ڈنکے پہ خونی گیت گانے دے مجھے

آگ برساؤں گا آنکھوں سے جدھر جاؤں گا میں
دیوزری کا مردہ پھونک کر آؤں گا میں

اس سلسلے میں مظفر حنفی کا یہ خیال اہم ہو جاتا ہے۔
''کیفی اعظمی کے دور اول کی نظمیں رومانی تخلیقات ہیں۔ ان میں
عنفوان شباب کے جذبات اور احساسات کرفرما ہیں اور جمالیاتی کیف و نشاط کے

ساتھ ساتھ ندرت ادا بھی ان نظموں کا امتیازی وصف ہے۔''٦؎

اسی ضمن میں یہ نظم بھی آ جائے گی جس میں رومانیت کا عکس بہت صاف بھی ہے اور گہرا بھی۔اس میں انقلاب کی آندھی کی آمد کا نہایت دلچسپ نقشہ کھینچا ہے۔

مچلتی، جھومتی، ہلچل مچاتی
تڑپتی شور کرتی دل ہلاتی
گرجتی، چیختی، فتنے اٹھاتی
قیامت کو جگا کر لا رہی ہے
اٹھو، دیکھو وہ آندھی آ رہی ہے

(آندھی)

کیفی صاحب کی چند نمائندہ رومانی نظموں کے موضوعات اور ان کی جمالیاتی خصوصیات مختصراً روشنی ڈالی جائے۔لہٰذا چند مشہور و معروف رومانی نظموں کا تعارف مع حوالہ اشعار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مغنیہ عنوان کی نظم میں کسی مغنیہ کہ سحر انگیز نغمہ سرائی کو دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اس میں شاعر کے ساتھ ساتھ خود خدائی بھی ہمہ تن گوش ہے۔ ہ نظم بلکل رومانی اور روایتی طرز کی ہے۔

کیفی کی رومانی نظموں کے حوالے سے ان کی ایک نمایاں خصوصیت پائی جاتی ہے کہ جب کبھی وہ کاروبار عشق میں اپنے آپ کو ناکام و نامراد محسوس کرتے ہیں تو احتجاج و بغاوت کرنے کے بجائے مایوس و نامراد ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی مایوسی اور ناامیدی بہت دیر تک قائم نہیں رہتی۔اچانک ہی ان میں ایک نیا جوش اور ولولہ جاگ اٹھتا ہے اور تابناک مستقبل کی یہ امید کی ایک تازہ کرن جاگ جاتی ہے۔ لہٰذا، وہ دوبارہ مسکراتے ہیں۔ناامیدی امید میں بدل جاتی ہے۔یہ کیفیت ان کی نظم تجدید میں ابھر کر سامنے آئی ہے۔اس نظم کو ملاحظہ فرمائیں۔

تلاطم، ولولے، ہیجان، ارماں
سب اس کے ساتھ رخصت ہو چکے تھے
یقیں تھا اب نہ ہنسنا ہے نہ رونا
کچھ اتنا ہنس چکے تھے، رو چکے تھے

کسی نے آج اک انگڑائی لے کر
نظر میں ریشمی گرہیں لگا دیں
تلاطم، ولولے، ہیجان، ارماں
وہی چنگاریاں پھر مسکرا دیں

(تجدید)

کیفی صاحب کی یہ کیفیت ان کی اکثر نظموں میں محسوس کی جا سکتی ہے۔

جہاں وہ محبوبہ کی بیوفائی ، بے رخی اور عدم توجہی سے دل شکستہ تو ہوتے ہیں لیکن فوراً ایک غیر محسوس قوت انہیں محبوبہ کی طرف راغب کرتی ہے۔اور وہ دوبارہ اسے چاہنے کا جواز تلاش کر لیتے ہیں۔اور آزمائش کی بھی گزارش کرتے ہیں۔ یہ جذبہ نظم حوصلہ میں بہت قوی ہوا ہے۔

تو خورشید ہے بادلوں میں نہ چھپ
تو مہتاب ہے جگمگانا نہ چھوڑ

تو شوخی ہے شوخی رعائت نہ کر
تو بجلی ہے بجلی جلانا نہ چھوڑ

ابھی عشق نے ہار مانی نہیں
ابھی عشق کو آزمانا نہ چھوڑ

(حوصلہ)

اسی کے ساتھ کیفی صاحب کی نظموں میں خاموشی سے محبوبہ کے ظلم و ستم سہنے کی روش پائی جاتی ہے بلکہ وہ محبوب کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔نہ اسے کوستے ہیں نہ شکوہ گلہ کرتے ہیں۔ایسی ہی ایک نظم ''تبسم'' میں ان کی محبوبہ انہیں تڑپاتی اور جلاتی ہے۔اور کیفی ہیں کہ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔وہ خاموش چپ چاپ ہونٹوں کو سی کر سب کچھ جھیلتے ہیں۔

اک کلی نوردیدۂ گلزار
گوہرشب چراغ باغ وبہار
نرم و نازک شگفتہ لالہ گوں
شوخ معصوم بے زباں طرار
مجھ پہ رنگینیاں لٹاتی تھی
لطف نظارگی مٹا ہی دیا
میں نے دست طلب بڑھا ہی دیا
پنکھڑی میں نہاں تھی چنگاری
ہاتھ جس نے مرا جلا ہی دیا
اور کلی مجھ پہ مسکراتی تھی
(تبسم)

کیفی صاحب کی رومانی نظموں کا مزاج یہ بھی رہا ہے کہ وہ روایتی نظام حیات کو بدلنے یا اس میں اصلاح کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ نئے زمانے کے نئی نسل پر بوڑھوں کی خواہ مخواہ کی پابندیوں اور بے جا جکڑ بندیوں کو وہ نافرمانی کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ بڑے بوڑھوں کو نئی نسل پر پرانے رسم رواج اور پرانے طور طریقے تھوپنا نہیں چاہئے۔ ہاں حدود اور شرائط کے اندر انہیں اپنے طور پر اپنی راہ خود بنانے کی آزادی دینی چاہئے۔ انہیں اپنی ذمہ داریوں اور زمانے کے challenges کو اپنے طور پر قبول کرنے اور انہیں سلجھانے کا موقع فراہم کرنا چاہئے۔ اپنے اس خیال کو کیفی صاحب اپنی ایک نظم ''نرسوں کی محافظ'' میں

نہایت موثر طریقے سے پیش کرتے ہیں۔

بٹھادئے تو ہیں پہرے قدم قدم پہ مگر
جھجک کے چلنے میں لغزش ضرور ہوتی ہے
گناہ ہوتے ہیں داخل وہیں سے فطرت میں
جوانی اپنا جہاں اعتبار کھوتی ہے

یہ تتلیاں جنہیں مٹھی میں بھینچ رکھا ہے
جو اڑنے پائیں تو الجھیں کبھی نہ خاروں سے
تری طرح کہیں یہ بھی نہ بجھ کہ رہ جائیں
تپش نچوڑ نہ ان ناچتے شراروں سے
(نرسوں کی محافظ)

اسی ذیل میں کیفی صاحب کے نظموں میں محبوبہ کی وکالت کرتے ہوئے ایک مثبت جذبہ یہ بھی ملتا ہے کہ محبوبہ اپنے محبوب سے بے وفائی، بے اعتنائی اور بے رخی اختیار کرنے میں سماج کے رسم و رواج، زمانے اور مذہب کی بے جا پابندیوں کے سبب مجبور و بے کس ہوتی ہے۔ وہ بذات خود محبوب کی اس بے اعتنائی کا الزام نہیں دیتے بلکہ زمانے کا جبر اور رسم رواج کی سختیوں کو ذمہ دار ٹھراتے ہیں۔ اپنے اس عظیم خیال کو کیفی صاحب نے نظم ''تصور'' میں بڑے ہی دلپذیر انداز میں بیان کیا ہے۔ نظم کے بند اس طرح ہیں۔

نہیں محبت کی کوئی قیمت جو کوئی قیمت ادا کرو گی
وفا کی فرصت نہ دے گی ہزار عزم وفا کرو گی
مجھے بہلنے دو رنج و غم سے سہارے کب تک دیا کرو گی
جنوں کو اتنا نہ گدگداؤ، پکڑ لوں دامن تو کیا کرو گی
قریب بڑھتی ہی آ رہی ہو
یہ خواب کیسا دکھا رہی ہو

(تصور)

کیفی صاحب کی ابتدائی شاعری میں وہ رومان پسند اور جمالیات کے شاعر نظر آتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ترقی پسند تحریک اور اس کے نظریات سے ہم رشتہ ہونے کے بعد ان کی شاعری میں رومان کے ساتھ ساتھ ''انقلاب، سیاست، احتجاج اور دیگر سماجی عوامل در آئے ہوں۔ نظم ''ملاقات'' میں کیفی نے خالص عشقی جذبات کو روایتی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس طرح ان کی نظم ''پشیمانی'' بھی خالص عشقیہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس نظم میں وہ عورت کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہیں کہ عورت یا محبوبہ اپنے محبوب کی ناراضگی کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی اور اسے منا لینے کی طرف راغب ہوتی ہے اس فلسفہ کے تحت وہ تھوڑی دیر کے لیے دانستہ روٹھ جاتے ہیں کہ محبوبہ انہیں منا لے گی، جاتے ہوئے واپس بلائے گی۔ لیکن محبوبہ اپنی کسی مجبوری کے تحت ایسا نہیں کر پاتی اور بالآخر۔ نظم پشیمانی وجود میں آتی ہے۔ نظم کیا ہے اگر اسے ایک مختصر منظوم افسانہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

میں یہ سوچ کر اس کے در سے اٹھا تھا
کہ وہ روک لے گی منا لے گی مجھ کو
ہواؤں میں لہراتا آتا تھا دامن
کہ دامن پکڑ کر بٹھا لے گی مجھ کو
قدم ایسے انداز سے اٹھ رہے تھے
کہ آواز دے کر بلا لے گی مجھ کو

مگر اس نے روکا، نہ مجھ کو منایا
نہ دامن ہی پکڑا، نہ مجھ کو بٹھایا
نہ آواز ہی دی، نہ مجھ کو بلایا
میں آہستہ آہستہ بڑھتا ہی آیا
یہاں تک کہ اس سے جدا ہو گیا میں

(پشیمانی)

کیفی اعظمی کی رومانی نظموں کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی رومانی نظموں میں محبوب کبھی اپنی محبوبہ کے منفی برتاؤ سے بدظن یا بدگمان نہیں ہوتا۔ بلکہ معشوق کی عدم توجہی اور بظاہر بے اعتنائی کے لیے کوئی نہ کوئی سماجی معقول وجہ تصور کر لیتا ہے اور اس صورت میں محبوب بدرجہ مجبوری اپنے محبوب کو تمام سابقہ یادوں اور رشتوں کے شدید احساس کے ساتھ بھلاتی ہے۔ نظم ''اندیشے'' ایسی ہی کیفیت میں ڈوبی ہوئی نظم ہے۔ اس دو بند پر نظر کریں۔

روح بے چین ہے اک دل کی اذیت کیا ہے
دل ہی شعلہ ہے تو یہ سوزِ محبت کیا ہے
وہ مجھے بھول گئی اس کی شکایت کیا ہے
رنج تو یہ ہے کہ رو رو کے بھلایا ہوگا

دل نے ایسے بھی کچھ افسانے سنائیں ہوں گے
اشک آنکھوں نے پیئے اور نہ بہائیں ہوں گے
بند کمرے میں جو خط میرے جلائے ہوں گے
اک اک حرف جبیں پر ابھر آیا ہوگا

(اندیشے)

اس قسم کی رومان میں ڈوبی ہوئی نظموں کے بارے میں انور سدید کی رائے ہے کہ: ''یہ شاعری ہندوستان کے ایک خاکی انسان کی شاعری ہے اس لیے اس میں مٹی کا جادو اپنا اثر وعمل خوبی اور خوبصورتی سے جگاتا اور شاعر کو افلاطونی بننے سے بچالیتا ہے۔''[۷]

اس نظم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں عاشق کے جذبات کی ترجمانی کے ساتھ معشوق کے جذبات کی بھی ترجمانی کی ہے۔ یہی حسن کیفی صاحب کی دیگر نظموں میں بھی صاف نظر آتا ہے۔ جو ان کو دیگر ہم عصر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ مثال کے طور پر نظم ''احتیاط'' میں بھی محبوب اپنی محبوبہ کو مشورہ دیتا ہے کہ:

اب تم آغوشِ تصور میں بھی آیا نہ کرو
تم کو یہ رسم بھی دنیا نہ نبھانے دے گی
بڑھ کے دامن سے لپٹ جائے گی یوں تازہ بہار
میری آغوش تصور میں بھی نہ آنے دے گی

(احتیاط)

ہندوستان میں حصول آزادی کے بعد زندگی کے تمام شعبوں میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سیاست، معشیت، تہذیب، سماج وغیرہ تمام شعب ہ کسی نہ کسی طرح متاثر ہوئے۔شعروادب میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ نظریات بدلے۔ رجحانات بدلے۔ایک قدر نے دم توڑا تو دوسری قدریں وجود میں آئیں۔ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں فسادات نفرت اور خونریزی کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔جو کسی نہ کسی صورت میں تا حال جاری ہے۔اسکے اثرات اردو ادب میں جا بجا دیکھے جا سکتے ہیں۔خواہ کہانی ہو، افسانہ ہو، ڈرامہ یا ناول، نیز تمام منظوم اصناف ان اثرات سے مغلوب ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں پورے ملک میں شروع ہونے والی ترقی پسند تحریک کی ادبیط قدروں کو معدوم کرنے کی کوششیں تیز ہوئی اور ان کی معنویت تبدیل ہونے لگی۔اس کے لب و لہجے اور موضوعات کے خلاف بھی ملک گیر سطح پر احتجاج کا دور شروع کیا گیا۔ جدیدیت کے رجحانات کو پروان چڑھانے کے لیے تخریبات کا ایک منظّم سلسلہ شروع کیا گیا۔ فلمی دنیا سے وابستہ ترقی پسند شعراء مثلاً علی سردار جعفری، جاں نثار اختر، مخدوم محی الدین، مجاز لکھنوی، مجروح سلطان پوری، ساحر لدھیانوی، وغیرہ کے ساتھ کیفی اعظمی کی

شاعری کا رجحان اور رنگ وہی رہا کیوں کہ جدیدیت کا رجحان تنہائی کا رجحان تھا اس کا سرتھانہ پیر۔ ترقی پسندی کی مخالفت ہی اس کا مقصد تھا۔ کیفی کی شاعری میں بھی دور اول کی رومانیت اور جمالیت کی جگہ سیاست، بغاوت اور رومان ک ملیہ جلے جذبات جگہ پانے لگ ے۔ یہ کیفی کے تخلیقی سفر کا تیسرا اور آخری دور تھا۔

۱۹۶۲ء میں منظر عام پر آئے ہوئے مجموعہ کلام ''آوارہ سجدے'' میں شامل نظموں کے مطالعہ سے یہ بات واضح طور سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ چند نظموں کے متعدد بند ملاحظہ فرمائیں:

کتنی رنگیں ہے فضا کتنی حسیں ہے دنیا
کتنا سرشار ہے ذوق چمن آرائی آج
اس سلیقے سے سجائی گئی بزم گیتی
تو بھی دیوار اجنتا سے اتر آئی آج

(نیا حسن)

جب بھی چوم لیتا ہوں ان حسین آنکھوں کو
سو چراغ اندھیرے میں جھلملانے لگتے ہیں
پھول کیا، شگوفے کیا، چاند کیا، ستارے کیا
سب رقیب قدموں پر سر جھکانے لگتے ہیں
رقص کرنے لگتی ہیں مورتیں اجنتا کی

مدتوں کے لب بستہ غار گانے لگتے ہیں
پھول کھلنے لگتے ہیں اجڑے اجڑے گلشن میں
پیاسی پیاسی دھرتی پر ابر چھانے لگتے ہیں
لمحے بھر کو یہ دنیا ظلم چھوڑ دیتی ہے
لمحے بھر کو سب پتھر مسکرانے لگتے ہیں

(ایک بوسہ)

''آوارہ سجدے'' نظم کا شمار کیفی صاحب کی اہم ترین نظموں میں ہوتا ہے۔ یہ نظم انہوں نے کمیونسٹ خیال کی بے ترتیبی کے بعد کہی۔ جب ان کے خواب چکنا چور ہوئے۔ ان کا اشتراکی نظریہ مجروح اور متاثر ہوا۔ کیفی کے نزدیک کمیونسٹ اکائی کا ٹوٹنا سوہان روح تھا جس نے ان کی شاعری کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا۔ چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ کمیونسٹ اکائی ٹوٹ گئی۔ میرے سجدے آوارہ ہو گئے۔[8]

اشراکیت کی عدم یقینی اور بیزاری کے بعد وجود میں آنے والے نظم کے چند اشعار سے ہی یہ اندازہ ہونے لگتا ہے کہ شاعر کا اشتراکی قدروں پر یقین و اعتماد کس درجہ مجروح و متاثر ہوا ہے۔

اب یہی سوزِ نہاں کل مرا سرمایہ ہے
دوستو، میں کسے یہ سوزِ نہاں نذر کروں

کوئی قاتل سر مقتل نظر آتا ہی نہیں
کس کو دل نذر کروں اور کسے جاں نذر کروں

اور

اپنی لاش آپ اٹھانا کوئی آسان نہیں
دست و بازو مرے ناکام ہوئے جاتے ہی
جن سے ہر دور میں چمکی ہے تمہاری دہلیز
آج سجدے وہی آوارہ ہوئے جاتے ہیں

اور اختتامیہ میں محرومی کا اظہار کرتے ہوئے کیفی کہتے ہیں:

راہ میں ٹوٹ گئے پاؤں تو معلوم ہوا
جز مرے اور مر اراہنما کوئی نہیں
ایک کے بعد خدا ایک چلا آتا ہے
کہہ دیا عقل نے تنگ آ کے خدا کوئی نہیں

(آوارہ سجدے)

''آوارہ سجدے'' مجموعہء کلام میں شامل نظموں کے مطالعہ سے کیفی صاحب کے اصل رنگ شاعری اور ان کی طبیعت کی سنجیدگی کا پتہ چلتا ہے۔ ایک ایک نظم کو پڑھتے جایئے ان کے لفظ لفظ اور ایک ایک مصرعے اور شعر سے کیفی کی سنجیدگی ٹھہراؤ، فطرت اور ایک فیصلہ کن نظریے کا انکشاف ہوتا چلا جاستا ہے۔ مذکورہ مجموعے میں شامل چند نمایاں نظمیں مثلاً آخری رات، عادت، دائرہ، ابن مریم،

بہروپنی، مکان، پیار کا جشن، گر بھوتی، کھلونے، انتشار، ایک لمحہ، زندگی اور چراغاں وغیرہ میں یہ خصوصیات نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

کیفی کی ویسے تو تمامی نظمیں اپنے اندر ایک وسیع مقام رکھتی ہیں لیکن ان کی ایک نظم 'مکان' کا مطالعہ کرنے سے ان کی اندرونی طاقت اور فکری قوت کا مشاہدہ ہم آسانی سے کر سکتے ہیں۔ ان کی یہ خوبصورت نظم اپنی معنوی خوبیوں اور لفظی بندشوں کے سبب اردو شاعری کی اہم نظم بن گئی ہے۔

آج کی رات بہت گرم ہوا چلتی ہے
آج کی رات نہ فٹ پاتھ پہ نیند آئے گی
سب اٹھو، میں بھی اٹھوں، تم بھی اٹھو، تم بھی اٹھو
کوئی کھڑکی اسی دیوار میں کھل جائے گی

یہ زمیں تب بھی نگل لینے پہ آمادہ تھی
پاؤں جب ٹوٹتی شاخوں سے اتارے ہم نے
ان مکانوں کو خبر ہے نہ مکینوں کو خبر
ان دنوں کی جو گپھاؤں میں گزارے ہم نے

ہاتھ ڈھلتے گئے سانچے میں تو تھکتے کیسے
نقش کے بعد نئے نقش نکھارے ہم نے
کی یہ دیوار بلند، اور بلند، اور بلند

بام و در اور ذرا، اور سنوارے ہم نے

آندھیاں توڑ لیا کرتی تھیں شمعوں کی لویں
جڑ دیے اس لیے بجلی کے ستارے ہم نے
بن گیا قصر تو پہرے پہ کوئی بیٹھ گیا
سو رہے خاک پہ ہم شورشِ تعمیر لیے

اپنی نس نس میں لیے محنت پیہم کی تھکن
بند آنکھوں میں اسی قصر کی تصویر لیے
دن پگھلتا ہے اسی طرح سروں پر اب تک
رات آنکھوں میں کھٹکتی ہے سیہ تیر لیے

آج کی رات بہت گرم ہوا چلتی ہے
آج کی رات نہ فٹ پاتھ پہ نیند آئے گی

سب اٹھو، میں بھی اٹھوں، تم بھی اٹھو، تم بھی اٹھو
کوئی کھڑکی اسی دیوار میں کھل جائے گی

(مکان)

درج بالا نظم نے کیفی کو اردو ادب میں زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔ ان کے مجموعۂ کلام کی چند دوسری نظمیں 'آخر رات' اور 'ابن مریم' بھی پر لطف ہیں اور اپنی دلچسپی اور اپنے معنیاتی نظام کے سبب ایک نیا جہاں آباد کئے ہوئے ہیں۔

چاند ٹوٹا پگھل گئے تارے
قطرہ قطرہ ٹپک رہی ہے رات
پلکیں آنکھوں پہ جھکتی آتی ہیں
انکھڑیوں میں کھٹک رہی ہے رات
آج چھیڑو نہ کوئی افسانہ
آج کی رات ہم کو سونے دو

کوئی کہتا تھا ٹھیک کہتا تھا
سرکشی بن گئی ہے سب کا شعار
قتل پر جن کو اعتراض نہ تھا
دفن ہونے کو کیوں نہیں تیار
ہوش مندی ہے آج سو جانا
آج کی رات ہم کو سونے دو

(آخری رات)

تم خدا ہو

خدا کے بیٹے ہو

یا فقط امن کے پیمبر ہو

یا کسی کا حسیں تخیل ہو

جو بھی ہو مجھ کو اچھے لگتے ہو

مجھ کو سچے لگتے ہو

مجھ کو دیکھو کہ میں تھکا ہارا

پھر رہا ہوں یگوں سے آوارہ

تم یہاں سے ہٹو تو آج کی رات

سو رہوں میں اسی چبوترے پر

(ابن مریم)

اس نظم کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر محمد محسن لکھتے ہیں: ''کیفی اعظمی نے ابن مریم میں ہمہ جہتی تصویر بنائی ہے جن میں رمزیت کی ایک تہ دوسری تہ سے ملتی چلی جاتی ہے۔ بات تو صرف اتنی سی ہے کہ حضر عیسیٰ کا مجسمہ بمبئی میں ساحل سمندر کے قریب نسب ہے۔ اور رات کو ایک تھکا کاندہ بھوک سے نڈھال اور نیند سے چور نو جوان اس مجسمے کے شہ نشین پر سونا چاہتا ہے اور سوچتا ہے اگر یہ مجسمہ وہاں نہ ہوتا تو وہ آج کی رات آرام سے گزار لیتا۔ اور وہاں اس مجسمے کے ہونے سے فائدہ بھی کیا ہے۔ یہاں چوروں اور اسمگلروں کی بستی میں ہر جگہ انصاف ہی انصاف

ہے۔حصہ بجز اانصاف سے بٹتا ہے اور جو ایک دوسرے سے وعدہ خلافی نہیں کرتے ۔اس مجسمے کی جگہ تو ویت نام کے جنگلوں میں تھی جہاں عیسیٰ کے نام لیوا خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔''9

کیفی نے اس نظم میں جس قوت بیان اور تہ در تہ رمزیت سے کام لیا ہے اس نے اسے نئی قوت بخش دی ہے۔کیفی کی دوسری نظموں کی طرح اس نظم میں صراحت اور غیر ضروری تفصیل نے جگہ نہیں پائی ہے۔

کیفی نے اپنی نظموں میں سماج کے ہر شعبے کو سمو لینے کی ہر ممکن اور کامیاب کوشش کی ہے۔انہوں نے اپنی نظموں کے ذریعے سیاسی رہنماؤں اور ان کے جھوٹے ارادوں اور وعدوں کو ان کے پورے سیاق وسباق کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عوام میں بیداری لانے اور ایسے نیتاؤں اور حکمرانوں کے ارادوں اور ان کے کارناموں کے خلاف آمادۂ پیکار ہونے کا پیغام بھی سنایا ہے۔

ذیل کی نظم کے مطالعہ سے ان کے انہی خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔

ریت کی ناؤ، جھاگ کے مانجھی
کاٹھ کی ریل، سیپ کے ہاتھی
ہلکی بھاری پلاسٹک کی خلیں
موم کے چاک جو رکیں نہ چلیں

راکھ کے کھیت دھول کے کھلیان
بھاپ کے پیرہن دھویں کے مکان
نہر جادو کی ، پل دعاؤں کے
جھن جھ جھنے چندیو جناؤں کے

سوت کے چیلے، مونج کے استاد
تیشے دفتی کے، کانچ کے فرہاد
عالم آٹے کے، اور روے کے امام
اور پانی کے شاعران کرام

اون کی تیر، روئی کی شمشیر
صدر مٹی کا اور ربر کے وزیر
اپنے سارے کھلونے ساتھ لیے
دست خالی میں کائنات لیے

دو ستونوں پہ باندھ کے رسی
ہم خدا جانے کب سے چلتے ہیں
نہ تو گرے ہیں نہ سنبھلتے ہیں

(کھلونے)

کیفی صاحب نے ملک کے افراتفری کے ماحول میں عوام کی فکر کو منضبط کرنے کے لیے کئی نظمیں قلم بند کی ہیں۔ان نظموں میں انہوں نے ملک کے معوام کو ہر حال میں امید وحوصلہ کی تلقین کی ہے۔انہوں نے ملک کی بدحالی پر افسوس ظاہر تو کیا ہی ہے،امید کے چراغوں سے اپنی زندگی کو روشنی کا احساس بھی جگایا ہے۔یہ جذبہ ان کی نظم چراغاں میں بہت نمایاں ہے۔

ایک دو بھی نہیں،چھبیس دئے
ایک اک کر کے جلائے میں نے

اک دیا نام کا آزادی کے
اس نے جلتے ہوئے ہونٹوں سے کہا
چاہے جس ملک سے گیہوں مانگو
ہاتھ پھیلانے کی آزادی ہے

اک دیا نام کا خوشحالی کے
اس کے جلتے ہی یہ معلوم ہوا
کتنی بدحالی ہے.
پیٹ خالی ہے مرا،جیب مری خالی ہے

ایک دیا نام کا یک جہتی کے
روشنی اس کی جہاں تک پہنچی
قوم کو لڑتے جھگڑتے دیکھا
ماں کے آنچل میں ہیں جتنے پیوند
سب کو اک ساتھ اڈھڑتے دیکھا
دور سے بیوی نے جھلا کے کہا
تیل مہنگا بھی ہے ملتا بھی نہیں
کیوں دئے اتنے جلا رکھے ہیں
اپنے گھر میں نہ جھروکہ نہ منڈیر
طاق سپنوں کے سجا رکھے ہیں
آیا غصے کا اک ایسا جھونکا
بجھ گئے سارے دئے
ہاں مگر ایک دیا نام ہے جس کا امید
جھلملاتا ہی چلا جاتا ہے

(چراغاں)

کیفی کی شخصیت کے منفرد پہلوان کی منفرد نظموں سے سامنے آتے ہیں۔انہوں نے کسی ایک موقع یا شعبہ حیات پر نہیں بلکہ ذاتی اور سماجی حالات کے پیش نظر بہترین بامعنی نظمیں لکھیں۔مثلاً:

ذرا پکار دو بے چین نوجوانوں کو
ذرا جھنجھوڑ دو کچلے ہوئے کسانوں کو

ادھر سے قافلۂ انقلاب گزرے گا
بچھا دو سینۂ گیتی پہ آسمانوں کو
(تلنگانہ)

ہاتھ ڈھلتے گئے سانچے میں تو تھکتے کیسے
نقش کے بعد نئے نقش نکھارے ہم نے
کی یہ دیوار بلند اور بلند، اور بلند
بام ودر اور ذرا اور سنوارے ہم نے
(مکان)

روز بڑھتا ہوں جہاں سے آگے
پھر وہیں لوٹ کے آجاتا ہوں
بارہا توڑ چکا ہوں جن کو
انہیں دیواروں سے ٹکراتا ہوں
روز بستے ہیں کئی شہر لیے
روز دھرتی میں سما جاتی ہے
زلزلوں میں تھی ذرا سی گرمی

وہ بھی اب روز ہی آجاتے ہیں

(دائرہ)

اس نے مجھ کو الگ بلا کے کہا
آج کی زندگی کا نام ہے خوف
خوف کی وہ زمین ہے جس میں
فرقے اگتے ہیں فرقے پلتے ہیں
خوف جب تک دلوں میں باقی ہے
صرف چہرہ بدلتے رہنا ہے
صرف لہجہ بدلتے رہنا ہے
کوئی مجھ کو مٹا نہیں سکتا
جشن آدم مٹا نہیں سکتا

(بہروپنی)

کیفی کی شاعری خصوصاً نظموں کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ ان میں تصور کی جلوہ گری، حقیقت نگاری، حسن و رنگ کے حسین امتزاج کے علاوہ تسلسل، ربط، احساس اور پوشیدہ جذباست کی کیفیات بھی پائی جاتی ہے۔ان کی شاعری میں فکر کی گہرائی کا عنصر اس درجہ کثرت سے در آیا ہے کہ ان کو نفسیات انسانی کا شاعر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ان کی کم وبیش تمام نظمیں انہیں جذبات کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہیں۔خصوصاً اندیشے، تصور، نرسوں کی محافظ، احتیاط اور منظر خلوت کے عنوان سے کہی گئی نظموں میں دلی واردت اور نفسیاتی پہلو کو موضوع بنایا گیا ہے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی کیفی کی مذکورہ خصوصیات سے متعلق لکھتے ہیں:

''پشیمانی، ترنک کال، پامسٹ، حوصلہ اور تبسم اسی نوع کی نظمیں ہیں۔
جن میں آج بھی تازگی اور ندرت کا احساس ہوتا ہے۔''[10]

اس بات کے اختتام پر میں ضروری سمجھتی ہوں کہ کیفی کی نظمیہ شاعری سے متعلق ناقدین اور معاصرین کی رائے پیش کردی جائیں تاکہ ان کی شاعرانہ خصوصیات مزید ٹھوس اور مثبت طریقے سے سامنے آجائیں اور کیفی صاحب کی شعری جہات کا اندازہ ہوسکے۔

''کیفی اعظمی ایک مقبول ترقی پسند اور انقلابی شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنی ابتدائے عمر میں رومانیت میں ڈوبی ہوئی نظمیں لکھیں پھر شعوری طور پر قوم پرستی اور آزادی کے گیت گانے لگے۔ اب کمیونسٹ نظریات میں اعتماد رکھتے ہیں۔ اور اپنی نظموں میں فنکارانہ طریقے سے انقلابی نظریت پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے ملک اور غیر ملک میں ہونے والے سیاسی واقعات پر بھی دلچسپ اور پر اثر نظمیں لکھی ہیں۔ عوام کے ساتھ دکھ کو انہوں نے اپنی نظموں میں اس طرح سمو دیا ہے کہ فن اور موضوع ایک ہوجاتے ہیں۔''[11]

''یہ کہنا شاید کچھ لوگوں کے لیے تعجب خیز ہوگا کہ کیفی اعظمی ترقی پسندی کی وجہ سے شہرت یافتہ ہونے کے باوجود ترقی پسندانہ نظموں سے اردو نظم میں زندہ نہیں رہیں گے۔ ان کا نام البتہ چند رومانی نظموں کی بنا پر زندہ رہ سکتا ہے جو

انہوں نے شاعری کے ابتدائی دور میں اختر شیرانی کی رومانیت کے زیر اثر لکھی ہیں۔

۱۲

''کیفی اعظمی کی ایک کمزوری یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سارے شعری talents کو کمیونسٹ پارٹی اور اشتراکیت پر لگا دیا۔۔۔کیفی کی شاعری میں سیاسی بلند آہنگی نے انہیں نقصان پہنچایا۔ان میں اظہار کی جو بلا کی صلاحیت تھی اس کی چمک ان کی ہر نظم، اس کے اشعار اور ان کی لفظی صورت گری میں نظر آتی ہے۔لیکن جب وہ سیاست پر زور دینے یا تبلیغ کرنے لگتے ہیں تو ان کی شاعری کا تاثر کم ہو جاتا ہے۔''۱۳

''جدید اردو شاعری کے باغ میں ایک پھول کھلا ہے، زرخ پھول۔۔۔وہ اشتراکیت کا پر جوش حامی ہے،سویت روس کا گہرا دوست ہے اور اب وہ ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کا رکن بھی ہے۔اس کے خیال و مقصد حیات، اس کی زندگی اور عمل میں تضاد نہیں ہے۔اگر وہ انقلاب اور مزدور راج کے گن گاتا ہے تا اسے اس کا حق ہے۔اس لیے کہ اس نے اپنی زندگی محنت کشوں کی خدمت اور ان کی جدوجہد میں شرکت کے لیے وقف کر دی ہے۔ ''۱۴

'' ان کی جدید ترین نظموں میں فکر کی صلابت اور پختگی برابر نمایاں ہوتی جا رہی ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ کیفی نے بڑی اور حقیقی شاعری کے

اصرار ورموز کو پالیا ہے۔ان کے موضوعات اب بھی اشترا کی نقطۂ نظر کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگران کے شاعرانہ اظہار میں ضبط و نظم توازن اور فنی بصیرت نے قدر اول کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔'' ۱۵

'' پہلے کمٹ منٹ کا تعلق بڑی حد تک پارٹی لائن تک محدود تھا اور کمٹ منٹ کی نوعیت عقیدت مندی کی رہ گئی ہے۔اب نہ صرف اس کا دائرہ وسیع ہوا ہے بلکہ عقیدت نے تشکیک کو راہ دی ہے۔تشکیت عذاب سے گذر کر ہی شاعر کے تجربے میں صداقت اور جذبات میں تڑپ پید ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آوارہ سجدے کی نظمیں زیادہ جاندار اور تجربات کی صداقت پر پوری اترنے والی ہیں۔'' ۱۶

'' کیفی کا مزاج غزل کا مزاج نہیں بلکہ اختر الایمان کی طرح ان کا مزاج بھی نظم نگار کا مزاج ہے۔اس لیے ان کی غزلوں میں بھی نظمیہ کے اثرت در آئے ہیں۔بحیثیت نظم نگار انھوں نے زندگی کے انگنت پہلوؤں کو موضوع سخن بنایا ہے اور زندگی کی سچائیوں کو پیش کیا ہے۔'' ۱۷

حواشی:

۱ کیفی اعظمی: شخصیت، شاعری اور عہد۔ص۔۷۹

۲ کیفی اعظمی، میں اور میری شاعری، کیفی اعظمی عکس اور جہتیں، شاہد ماہلی، ص ۴۷۔

۳ جہات و جستجو، ڈاکٹر مظفر حنفی۔ص ۱۱۳

۴۔ کیفیات: کیفی اعظمی ص ۱۰،۹

۵ آخری سب کے ہمسفر، نامی انصاری، مضمون مشمولہ کیفی اعظمی: فن اور شخصیت شاہد ماہلی، ص ۳۶۶،۳۶۵

٦۔ جہات و جستجو، ڈاکٹر مظفر حنفی۔ ص ۱۱٦

۷۔ کیفی اعظمی معاملات جہاں کا شاعر۔ انور سید، کیفی اعظمی، عکس اور جہتیں۔ شاہد ماہلی، ص ۱۵۷

۸۔ کیفیات: دو چار باتیں ص ٦٦۹

۹۔ جدید اُردو ادب، ڈاکٹر محمد حسن ص ۱۵۷، ۱۵٦

۱۰۔ اُردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، خلیل الرحمٰن اعظمی ص ۱۴۷

۱۱۔ اردو ادب کی تنقیدی تاریخ سید احتشام حسین ص ۲۸۴

۱۲۔ جدید اُردو نظم اور یوروپی اثرات، ڈاکٹر حامدی کاشمیری ڈ ۳۳۹

۱۳۔ کیفی کا شعری سفر، شارب ردولوی کیفی اعظمی، عکس اور جہتیں، ص ۱۸۱، ۱۸۰

۱۴۔ کیفی اعظمی: شخصیت، شاعری اور عہد۔ ڈاکٹر وسیم انور ص ۲۷۲

۱۵۔ آخری شب کا ہمسفر نامی انصاری۔ کیفی اعظمی، عکس اور جہتیں، ص ۳۸۲

۱٦۔ کیفی اعظمی: شخصیت، شاعری اور عہد۔ ڈاکٹر وسیم انور ص ۲۷۵

۱۷۔ کیفی اعظمی: شخصیت اور فن، زرینہ ثانی ص ۳۱۷